بعض مشہور مذاہب کے صُحفِ مُقدسہ کی ترتیب

اور

قرآن مجید کی لِسانیاتی اہمیت

از جناب مولانا عبدالمالک صاحب آروی

(۳)

قرآن مجید کی ترتیب

داخلی روایات | اسلامی روایات کا متفقہ بیان ہے کہ قرآن مجید حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مصحف میں جمع کیا، اور حضرت عثمانؓ نے اس کی نقلیں اطرافِ عالم میں بھیجیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ ربیع الاول ۱۱ھ میں خلیفہ مقرر ہوئے اور جمادی الآخر ۱۳ھ (مطابق جون ۶۳۲ء - ۲۳ - اگست ۶۳۴ء) کی ۲۲ - تاریخ کو انتقال کیا - اور یہی قرآن مجید کی ترتیب کا بھی تاریخی زمانہ ہے - امام بخاری نے بڑی مفصل و طویل حدیثیں قرآن کی ترتیب و کتابت کے مسئلہ کے متعلق روایت کی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ یمامہ کی لڑائی میں جب قرآن کے بہت سے حفاظ شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن مجید کو ایک صحیفہ میں جمع کر دیا جائے - اول اول حضرت ابوبکرؓ نے اسے بدعت خیال کر کے احتراز کیا لیکن پھر وہ بھی حضرت عمرؓ سے متفق ہو گئے اور زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ قرآن مجید جمع کریں - چنانچہ اُنہوں نے یہ کام شروع کیا - خود زید بن ثابتؓ کا بیان ہے :-

فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب	میں نے قرآن کی تلاش شروع کی کہیں کھجور
واللخاف وصدور الرجال حتی	کی چھڑیوں پر کہیں باریک پتلے پتھروں پر
وجدت آخر سورۃ التوبۃ مع	(یا ٹھیکروں پر) لکھا پایا۔ یا کچھ لوگوں کو زبانی
ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا	یاد تھا۔ یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کی
مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول	آخری آیۃ صرف ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس پائی
من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم	یعنی آیۃ "لقد جاءکم رسولؐ من انفسکم"
حتی خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف	آخر سورۃ تک پھر یہ مصحف جو زیدبن ثابتؓ نے
عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم	مرتب کیا تھا، ابوبکر صدیقؓ کی وفات تک ان
عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ	کے پاس رہا۔ انکے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا
بنت عمر۔	حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ

کے پاس تھا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں حذیفہ بن یمان نے شام اور آذربیجان کی فتح کے موقعہ پر شامی اور عراقی مسلمانوں کو دیکھا کہ قرآن کی قرأت میں بہت اختلاف کرتے ہیں۔ اس لیے اُنھوں نے حضرت عثمان سے اس کا تذکرہ کیا، اُنھوں نے حضرت حفصہ سے مصحف کا نسخہ منگایا اور زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعدبن عاص، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا کہ ان کی نقلیں اُتاریں۔ اور تینوں قریشیوں (عبداللہ، سعد اور عبدالرحمٰن) سے کہا اگر زیدبن ثابت (جو انصاری تھے) سے قراۃ کے باب میں اختلاف ہو تو قریش کے محاورہ کو ترجیح دیں۔ چونکہ قرآن قریش ہی کے محاورہ میں اُترا ہے۔ الغرض حضرت عثمان نے اس کی چار نقلیں کرائیں، اور ایک ایک نسخہ کوفہ، بصرہ، شام میں بھیجا، اور ایک مدینہ میں رکھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سات نقلیں کرائیں اور

مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ میں ایک ایک مصحف بھیجا، ایک مدینہ میں رکھا۔

یمامہ کی لڑائی ۱۱ھ میں ہوئی۔ اسی میں بنی حنیف جیسے سخت دشمنانِ اسلام کو شکست فاش ہوئی اور مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ الغرض قرآن مجید آں حضرت کی وفات کے ایک سال اور چند ماہ کے بعد اس مصحف کی شکل میں مرتب ہو گیا جو آج تک اسلامی دنیا میں متداول ہے۔

اب بعض داخلی روایتیں ایسی ہیں جن کی بنا پر غیر مذہب والوں خصوصاً عیسائی علماء کو قرآن مجید کی صحت و سند پر شکوک پیدا ہو گئے۔ اور انہوں نے دوسرے صحفِ مقدسہ کی طرح اس کو بھی مشتبہ قرار دیا۔ چنانچہ فارلنگ "مذاہب کا تقابلی مطالعہ" میں قرآن کو بھی ویدا وستا، عہد عتیق و جدید وغیرہ کی طرح مستند قرار نہیں دیتا۔

قرآن مجید نے جس اہمیت کے ساتھ اپنی حفاظت و صیانت کا دعویٰ کیا ہے اُس سے بھی یہ تاریخی حقیقت کم از کم واضح ہو جاتی ہے کہ جو کچھ پیغمبر اسلام صلعم نے وحی کے نام سے پیش کیا اُس کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے اور اس کی حفاظت کے لیے وحی کے دن ہی سے کوشش کی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت سے یہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرانه فاذا قرأنه فاتبع قرانه ثم ان علينا بيانه۔ امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آیت بالا کی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا بیان ہے۔

قال كان رسول الله صلى الله	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب حضرت جبریلؑ
عليه وسلم اذا انزل جبريل بالوحی	وحی لے کر آتے آپ زبان اور لب ہلاتے رہتے
وكان مما يحرك به لسانه و	(کہیں بھول نہ جائیں) اس سے آپ پر بہت
شفتيه فيشتد عليه وكان يعرف	سختی ہوتی یہ سختی لوگوں کو بھی معلوم ہو جاتی

[1] ملاحظہ ہو تیسیر القاری بیسواں پارہ۔ ص ۱۲۲-۱۲۳۔

منه فانزل الله الآية التي في
لا اقسم بيوم القيمة لا تحرك به
لسانك لتعجل به ان علينا جمعه
وقرانه فاذا قرأنه فاتبع قرانه
فاذا انزلنه فاستمع ثم ان
علينا بيانه قال ان علينا ان
نبينه بلسانك قال وكان اذا
اتاه جبريل اطرق فاذا ذهب
قرأه كما وعده الله۔

آخر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قیامہ کی یہ آیت اُتاری
لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا
جمعه وقرانه یعنی تیرے دل میں وحی کا جمع
کرادینا یاد کرادینا ہمارا کام ہے اسی طرح اس کا
پڑھا دینا جب ہم پڑھ چکیں اُس وقت تو بھی
اسی طرح پڑھ جس طرح ہم نے پڑھا تھا اور جب تک
وحی اُترتی رہی خاموش سُنا رہ پھر یہ بھی ہمارا ہی
کام ہے تیری زبان پر اس کو رواں کردینا۔ ابن
عباسؓ کہتے ہیں ان آیتوں کے اُترنے کے بعد جب
جبریلؑ وحی لے کر آتے تو آپ خاموش رہتے جب وہ
چلے جاتے تو اُس وقت آپ اس کو پڑھ کر سُنا دیتے

(بخاری باب بدء الوحی)

روایت بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو اس کی صیانت و حفاظت کا کس حد تک خیال تھا۔ چنانچہ وحی کے ذریعہ قرآن کا جو حصہ اترتا آپ اُس کو کاتبوں کو لکھا دیتے۔ زید بن ثابت بھی جنھوں نے عہد صدیقی میں قرآن مجید کو صحیفہ میں جمع کیا آں حضرتؐ کے زمانہ میں کتابتِ وحی کی خدمات انجام دیا کرتے تھے، اور خود سارے قرآن کے جید حافظ تھے۔

امام بخاری نے ایک حدیث روایت کی ہے جس میں مذکور ہے کہ

لان جبريل كان يلقاه في كل
ليلة في شهر رمضان حتى ينسلخ
يعرض عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم

کیونکہ رمضان میں ہر رات جبریلؑ آپ سے ملا
کرتے رمضان ختم ہونے تک آں حضرتؐ ان کو
قرآن سناتے

دوسری روایت میں ہے کہ

كان يعرض على النبي صلى الله عليه وسلم القرآن كل عام مرة فعرض عليه مرتين في العام الذي قبض۔	حضرت جبرئیلؑ ہر سال ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال اُنہوں نے دوبار دور کیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید عہد نبوت میں زبانی مرتب تھا۔ سورتیں بالاتفاق مرتب شکل میں تھیں جیسا کہ حاکم اور بیہقی نے حدیثیں روایت کی ہیں بیہقی کی حدیث بقول حاکم (صاحب مستدرک) بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔ البتہ صحیفہ کی شکل میں پورا قرآن مرتب نہ تھا۔ اور پیغمبر اسلام کی وفات سے صرف تقریباً ڈیڑھ سال بعد مرتب ہوا۔

آں حضرت کے زمانہ ہی میں قرآن مجید کے بڑے بڑے حفاظ موجود تھے۔ چنانچہ خود آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید چار آدمیوں عبداللہ بن مسعودؓ سالم مولیٰ ابی حذیفہ، معاذ بن جبل اور ابی ابن کعب سے سیکھو۔

بخاری میں مذکور ہے کہ لقد اخذت من في رسول الله صلى الله عليه وسلم بضعًا وسبعين سورةً دوسری روایت میں عبداللہ ابن مسعود کا یہ بیان پایا جاتا ہے۔ والله الذي لا اله غيره ما انزلت سورة من كتاب الله الا انا اعلم اين انزلت ولا انزلت من كتاب الله الا انا اعلم فيم انزلت۔

اس میں شک نہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بھی قرآن مجید کی ترتیب دی تھی۔ جو مصحف عثمانی کی ترتیب سے مختلف تھی لیکن نہ آیات میں اختلاف تھا اور نہ ایک دوسرے میں کمی بیشی تھی۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد چار انصاریوں کو پورا قرآن حفظ

تھا۔ ان کے نام ہیں ابوالدرداء، معاذ ابن جبل، زید ابن ثابت اور ابو زید۔

بخاری کی روایت ہے کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس تھی اور دوسری روایت کے مطابق سورۂ احزاب کی آیت من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ صرف ابوخزیمہ انصاری کے پاس ملی، اور غالباً یہیں سے طبرانی وغیرہ کو وہ ضعیف حدیث پہنچی جس میں مذکور ہے کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ غائب ہوگیا ہے اور بہت ممکن ہے شیعہ کے بعض فرقے اور سنیوں کے فرقہ حشویہ نے قرآن مجید کے اندر نقص و فقدان کا عقیدہ یہیں سے لیا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام باتیں غلط فہمیوں کی پیداوار ہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال ابن شہاب واخبرنی خارجہ	ابن شہاب نے کہا مجھ سے خارجہ ابن زید بن ثابت
ابن زید ابن ثابت سمع زید بن	نے بیان کیا انہوں نے زید بن ثابت سے سنا
ثابت قال فقدت آیۃ من	وہ کہتے تھے جس زمانہ میں ہم مصحف لکھ رہے
الاحزاب حین نسخنا المصحف	تھے اُس وقت سورۂ احزاب کی ایک آیت کا پتہ
قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ	نہ چلا، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم یقرأ بہا فالتمسناہا	کو وہ آیت پڑھتے سنا تھا آخر ہم نے اس کی
فوجدناہا مع خزیمۃ ابن ثابت	تلاش کی پھر وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس
الانصاری من المومنین رجال	ملی وہ آیت یہ ہے من المومنین رجال صدقوا
صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقناہا	ما عاھدوا اللہ علیہ ہم نے اُس کو سورۂ احزاب
فی سورتہا فی المصحف۔	میں لگادیا۔

"نسخنا المصحف" سے بعض لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوگئی، بخاری کی دونوں حدیثیں زید ابن ثابت ہی سے مروی ہیں جن میں سورۂ توبہ کی آخری آیت اور سورۂ احزاب کی ایک آیت کا ابوخزیمہ انصاری کے

پاس ہونا بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ توبہ والی آیت کے سلسلہ میں تو صاف مذکور ہے کہ :-

قال ارسل الیّ ابو بکر قال انک	(زید بن ثابت کہتے تھے) ابو بکر صدیق نے مجھ کو بلا
کنت تکتب الوحی لرسول اللہ	بھیجا کہنے لگے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
صلی اللہ علیہ وسلم فاتبع القرآن	قرآن لکھا کرتے تھے اب بھی تم ہی قرآن کی
فتتبعت حتی وجدت اٰخر سورۃ	تلاش کرو، میں نے تلاش کی یہاں تک کہ سورۂ
التوبۃ اٰیتین مع ابی خزیمۃ الانصاری	توبہ کی آخری آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم
لم اجدھا مع غیرہ	مجھ کو ابو خزیمہ انصاری کے سوا اور کسی کے پاس
	نہیں ملی۔

یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت زید کو جناب صدیق رضؓ نے ترتیب قرآن کے لیے مامور کیا تھا۔ اس لیے روایات کے وفق و ربط سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نسخ نسا المصحف سے مُراد عہد عثمانی کی نقل و کتابت نہیں بلکہ وہی دور صدیقی کی ترتیب ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی نتیجہ نکلا کہ ابو خزیمہ کے یہاں احزاب اور توبہ کی وہ آیتیں لکھی ہوئی ملیں۔ ورنہ یاد اور لوگوں کو بھی تھیں۔ چنانچہ اسی روایت میں خود زید کا بیان ہے کہ کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ بھا۔ اس سے پتہ چلا کہ حفاظ کو وہ آیتیں یاد تھیں لیکن لکھی ہوئی کسی دوسرے کے پاس نہ تھیں

اسلامی تاریخ و روایات کے غائر مطالعہ سے پوری طرح ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید وحی کے دن سے آج تک بالکل محفوظ چلا آتا ہے۔ عہدِ رسالت ہی میں پورا قرآن صحابہ کو یاد تھا، عہد صدیق میں جب اس کو صحیفہ میں جمع کیا گیا قرآن کے بڑے بڑے حفاظ موجود تھے، جس طرح آج ایک حافظ بلا اختلاف ایک حرف سارا قرآن زبانی سُنا دیتا ہے۔ اور لکھا دے سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ماہرین قرآن کی ترتیب کے وقت موجود تھے۔ اس لیے فارلنگ کا یہ اعتراض کہ قرآن کی اصلیت مشکوک

مذاہب کی صحف مقدسہ کی طرح نامعتبر ہے، بالکل مہمل سی بات ہے۔

(۱) دنیا کا کوئی الہامی صحیفہ اپنی حفاظت وصیانت کا خود ایسا ادعا نہیں کرتا جیسا کہ قرآن مجید کا دعویٰ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحی کے دن ہی سے اس کی صیانت وحفاظت کا التزام رکھا گیا۔

(۲) کسی مذہب کی الہامی کتاب ملہم کی وفات کے بعد اس قدر جلد مرتب نہ ہوئی جس طرح قرآن مجید مرتب ہوا۔ وید بقول جرمن مستشرق "ونٹرنز" صدیوں میں عالم وجود میں آیا اور صدیوں زبانی متداول رہا۔ بدھ مذہب کی کتاب ٹی پی ٹیکا کا اصل نسخہ ہی دنیا سے غائب ہے۔ صرف اس کا پالی ترجمہ باقی ہے اور یہ ترجمہ بھی گوتم بدھ کی وفات کے کئی صدی بعد معرض وجود میں آیا۔ یہی حال عہدنامۂ عتیق اور عہدنامۂ جدید کا ہے۔ کہ ان کا بھی اصل نسخہ دنیا سے معدوم ہوگیا۔ جین مذہب کے "چودہ پروا" کے متعلق مستشرقین کا بیان ہے کہ اس پر انقلاب کے اتنے دور گذرے ہیں کہ خود جینیوں کا اعتراف ہے کہ اصل کتاب مدت ہوئی غائب ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ جرمن مستشرق ونٹرنز جین مذہب کو بدھ مذہب سے قدیم تر تسلیم کرتے ہوئے بھی وہ جینیوں کی مذہبی ادبیات سے بدھ مذہب کی ادبیات کے بعد بحث کرتا ہے۔ "اوستا" کا بھی یہی حال ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سٹیئر لکھتا ہے کہ گو عربوں کے زمانہ میں ایران کے مذہبی ادب کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا لیکن پھر بھی ہم لوگ اس ضخیم ادب کی خصوصیت اور مواد کے متعلق تاریکی میں نہیں گو موجودہ "اوستا" اس کے مقابلہ میں محض ایک اثر باقی کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۳) قرآن مجید کا موجودہ نسخہ اصل زبان میں موجود ہے اور کبھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی حصہ میں طرز بیان، اسلوب انشار کے اعتبار سے یگانگت وہم آہنگی نہیں۔ جیسا کہ وید کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ زبان اسلوب اور انشا کے لحاظ سے مختلف عہد اور مختلف دماغوں کی پیداوار ہیں یہی وجہ ہے کہ عہد حاضر میں غیر مسلم علماء بھی قرآن کو لسانیاتی نقطۂ نظر سے عربی زبان کا اولیں ماخذ قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون کی بحث ونظر سے پتہ چلیگا۔

قرآن مجید کی لسانیاتی اہمیت پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ عربی زبان پر ایک نظر ڈالی جائے لیکن عربی زبان کے نشو وارتقا کی بحث خود اس قدر متنوع اور تفصیل طلب ہے کہ اس مضمون میں اس مسئلہ کی طرف اعتنا نہیں کیا جا سکتا، عربی زبان کو دوسری السنۂ سامیہ بابلی، و اسیری، آشوری وعبرانی کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔

عربی زبان کو بعض علماء نے دو حصوں شمالی وجنوبی میں تقسیم کیا ہے لیکن اب یہ تقسیم درست نہیں سمجھی جاتی ماہرین لسانیات اب عربی زبان کو دو حصوں قدیم عربی (عربیہ بائدہ) اور موجودہ عربی (عربیہ باقیہ) میں تقسیم کرتے ہیں۔ قدیم عربی زبان کی بحث میں ثمودی الحیانی اور صفوی نقوش کو بڑی اہمیت ہے۔ اسی طرح قدیم عربی کے نمونے نقش نمارہ، نقش زبد، اور نقش حران سے ظاہر ہوتے ہیں یہ تین کتبے ہیں جو خط نبطی میں پائے جاتے ہیں۔ خط نبطی (جس کا آخر زمانہ میں رواج ہوا) کو عربی کے خط کوفی سے بہت زیادہ مشابہت ہے۔

نقشِ نمارہ سب سے قدیم کتبہ ہے جو عربی زبان کے مشہور شاعر امرئ القیس کے مقبرہ پر کندہ تھا۔ یہ کتبہ ۳۲۸ء (ب م) میں تیار ہوا۔ نمارہ رومیوں کا ایک چھوٹا سا محل ہے جو جبل دروز کے علاقہ میں واقع ہے۔ امرئ القیس عرب کا بادشاہ بھی تھا اور اس کا اثر واقتدار بادیہ شام تک پھیلا ہوا تھا۔

دوسرا نقش زبد ہے جو تین زبانوں، یونانی، سریانی اور عربی میں لکھا ہوا ہے اس کی کتابت کا زمانہ ۵۱۱ء ہے زبد ایک کھنڈر ہے جو قنسرین اور نہر فرات کے درمیان واقع ہے۔

نقش حران یونانی اور عربی زبانوں میں لکھا ہوا ہے اس کتبہ کا انکشاف حران میں ہوا جو جبل دروز کے شمالی علاقہ میں ہے۔ یہ نقش ایک گرجا کے دروازہ کے اوپر پتھر پر کھدا ہوا ہے اور اس کا تعلق ۵۲۸ء سے ہے۔

موجودہ عربی (عربیہ باقیہ) کے سلسلہ میں سب سے اہم چیز ظہور اسلام، اسلامی دعوت وتبلیغ اور قرآن کی ادبی ولسانی اہمیت ہے، موجودہ عربی خط بھی "اسلامی خط" کہا جاتا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ یہ بھی قرآن کی طرح اسلام کی پیداوار ہے بلکہ اسلام ہی اس کے رواج واحیار کا سبب ہوا حالانکہ قدیم عربی خط آخری زمانہ کے خط سے مشابہ تھا۔ اسی طرح قرآن کی زبان اور محاورات کے سامنے عربی زبان کے بقیہ لہجے اور محاورات فنا ہوگئے۔ اسرائیل ولفنسون لکھتا ہے:۔

واثر القرآن اثرہ الشدید فی جمیع اللہجات العربیہ فی جمیع الانحاء والجزیرۃ فقد بدأت تتبلبل و تضطرب وتنجذب بقوہ الی لغۃ القرآن حتی اندمجت کلما فی لہجۃ التی ھی لہجۃ الحجاز کما کان ینطقہا خاصۃ اھل مکۃ [1]	قرآن مجید نے جزیرۂ عرب کی عربی زبان کے تمام محاوروں پر گہرا اثر ڈالا، یہ محاورے زور سے اثر پذیر ہونے لگے، یہاں تک کہ ساری زبان اس قرآن کی زبان سے مخلوط اور لہجہ میں جذب ہوگئی جو حجاز کا خاص لہجہ تھا اور جس میں خاص کر مکہ والے گفتگو کرتے تھے۔

اب آئیے قرآن مجید کے بدیعہ انشار اور لسانی خصوصیت پر بحث کریں۔ اس میں شک نہیں معصر بیروت کے عیسائی بھی زبان وانشار کے لحاظ سے قرآنِ مجید کے اعجاز کے قائل ہیں، لیکن برا ہو مذہبی تعصب کا کہ اس حیثیت سے بھی بعض علمار نے اعتراض کیا ہے۔

ڈاکٹر ٹسڈل کا اعتراض

ٹسڈل نے اسلام پر یہودیت اور یہودی روایات کا اثر دکھاتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر اور زیادہ ثبوت کی ضرورت ہو کہ یہودیت نے کس طرح اسلام کو اثر پذیر کیا تو یہ قابل غور حقیقت پیش کی جاسکتی ہے

[1] تاریخ اللغات السامیہ ص ۲۱۵۔

کہ گو مسلمان قرآن کی طرز اور اُس کی خالص عربیت پر "اعجاز" کی حیثیت سے فخر و مباہات کرتے ہیں اور استدلال کرتے ہیں کہ یہ قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کا ثبوت ہے۔ پھر بھی قرآن میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کو عربی زبان سے بالکل تعلق نہیں۔ بلکہ وہ یا تو آرامی یا عبری زبانوں سے لیے گئے ہیں اِن میں یہ الفاظ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ طاغوت، سکینہ، حبر، جہنم، جنت عدن، تابوت، تورات ملکوت، ماعون، فرقان۔ ان میں بعض الفاظ ایسے مادوں سے مشتق ہیں جو تینوں زبانوں میں مشترک ہیں لیکن یہ عربی قواعد کے مطابق بنائے نہیں گئے ہیں۔ اس کے برعکس عام طور پر عبری اور آرامی زبانوں میں اِن کا استعمال ہوا ہے، اور حقیقۃً انہی زبانوں سے ان کا تعلق ہے۔ لفظ فردوس (بہشت) آخری عبرانی زبان سے لیا گیا ہے لیکن یہ قدیم فارسی زبان سے ...... آیا ہے۔ اور فارسی و سنسکرت سے اس کا تعلق ہے اور عبرانی زبان کے لیے اجنبی چیز ہے۔ مسلمان مفسرین ان الفاظ کے صحیح معنی بتانے سے قاصر رہے۔ چونکہ وہ ان زبانوں سے نابلد تھے، جن سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ الفاظ لیے۔ جب ہم لوگ ان کے صحیح معنی جان لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہی عبارت قرآن کے لیے موزوں ہے۔ مثال کے لیے لفظ "ملکوت" کو لیجیے مفسرین کے یہاں عام طور پر یہ غلطی پائی جاتی ہے کہ "ملکوت" کے معنی ہیں ملائکہ کا مقام یا خاصہ۔ یہ لفظ "ملک" (فرشتہ) سے مشتق نہیں بلکہ یہ عبرانی کے لفظ ملکوتھ (ملکوت) کا معرب ہے[لہ]۔

اعتراض کا جواب

ڈاکٹر ٹسڈل کی ایراد پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہ صرف عربی زبان کی تاریخ ارتقاء سے نابلد ہیں بلکہ اُنھوں نے قرآن کی لسانیاتی خصوصیت کے باب میں اسلامی لٹریچر کا کافی مطالعہ بھی نہیں کیا۔ سب سے زیادہ غور طلب یہ امر ہے کہ اسلام سے قبل عربی زبان پر دوسری زبانوں کا

لہ Sources of the Qoran باب ۳

اثر پڑا ہے یا نہیں؛ اور پھر اس کے بعد اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت ہے کہ قرآن مجید میں دوسری زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں یا نہیں۔ اور پھر اس باب میں علمائے اسلام کا کیا خیال ہے؟ سب سے پہلے نمارہ، زبد اور حران کے وہ کتبے غور طلب ہیں جو قدیم عربی زبان کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں نقش نمارہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد میں آرامی، سریانی اور عربی زبانیں ممزوج ہو چکی تھیں نقش زبد یونانی، سریانی، اور عربی خطوط میں ہے۔ لیکن یونانی خط کی عبارت میں بھی عربی کے بعض اسمائے معرفہ (Proper noun) پائے جاتے ہیں نقش حران کو زمانۂ جاہلیت کی زبان کا مکمل نمونہ کہا جاتا ہے لیکن اس سے بھی یونانی اور عربی امتزاج کا پتہ چلتا ہے۔ خود امرئ القیس کے مشہور قصیدے کا شعر ہے۔

مهفهفۃ بیضاء غیر مفاضۃ ترائبها مصقولۃ کالسجنجل

سجنجل رومی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آئینہ ہیں۔ امرئ القیس جاہلی شاعر تھا جس کے مدفن پر علمائے آثار نے نقش نمارہ کا پتہ لگایا ہے۔ عرب کے مختلف قبائل اپنے ماحول کے لحاظ سے عجمی زبانوں سے بھی اثر پذیر ہوئے۔ چنانچہ لخم وجذام کے محاورہ پر قبطی زبان کا اثر پڑا، قضاعہ اور بنی غسان کی سکونت شام کے نزدیک تھی۔ جہاں زیادہ تر نصاریٰ آباد تھے۔ وہاں عبرانی زبان کا رواج تھا۔ بنی تغلب اور اہل یمن یونانیوں کے جواری تھے۔ قبیلہ بکر قبطی وفارسی سے اثر پذیر ہوا۔ عبد القیس اور ازد کے قبائل ہندوستان اور ایران کے تمدن سے ٹکرائے، اہل یمن پر ہند اور حبشہ کا اثر پڑا یہی وجہ ہے کہ عربی زبان پر بہت سی عجمی زبانوں کا اثر پڑا۔ ایسے کلمات کو جو عجمی زبان سے عربی میں داخل ہو گئے لغویین "مولد" سے تعبیر کرتے ہیں:۔

وقال الزبیدی المولد من الکلام المحدث وقال فارابی هذا عربیۃ وهذا مولد[1]	زبیدی نے کہا کہ "مولد" نئے کلام کو کہتے ہیں اور فارابی کی روایت ہے کہ یہ عربی ہے اور یہ مولد ہے۔

[1] البلغۃ الی اصول اللغۃ ص ۴۔

روایات بالا سے واضح ہوتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل ہی عربی زبان پر مختلف زبانوں کا اثر پڑ چکا تھا، اسرائیل ولفنسون لکھتا ہے :-

وعلى التأثير العبري الآرامي على اللغة العربية في ألفاظ عمرانية ودينية يوجد في اللغة العربية عدد غير قليل من ألفاظ يونانية اندمجت في العربية بوساطة السريانية مثل انجيل واسطوانة واسقف وناموس وميل (مقياس) واسفنج وكذلك اندمجت في العربية بعض كلمات فارسية مثل استاذ وجيش ومجوس على ان التأثير اليوناني والفارسي قليل جدا قبل الاسلام بالنسبة للتأثير العبري

عبرانی آرامی تاثیر سے عربی زبان کے تمدنی و مذہبی الفاظ اثر پذیر ہوئے عربی زبان میں سریانی زبان کی وساطت سے بہت سے یونانی الفاظ شامل ہوگئے مثلاً انجیل، اسطوانہ، اسقف ناموس، ناموس، میل، اسفنج وغیرہ اور اسی طرح عربی میں بعض فارسی الفاظ مل گئے مثلاً اُستاد، جیش، مجوس۔ بایں ہمہ (عربی زبان پر) اسلام سے قبل یونانی اور فارسی زبان کا اثر عبرانی اور سریانی کی بہ نسبت کم پڑا ہے۔

ڈاکٹر ٹسڈل نے قرآن سے آرامی، عربی اور فارسی کے چند الفاظ نقل کیے تھے، آئیے مختصراً بتائیں کہ قرآن مجید میں اور دوسری زبانوں کے الفاظ بھی موجود ہیں جن کا ٹسڈل نے تذکرہ نہیں کیا۔ سورۂ یوسف میں لفظ متکاً استعمال ہوا ہے، حبشی زبان میں ترنج کو کہتے ہیں۔ "ھیت لك" حورانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "آجا" طٰہٰ کے معنی نبطی زبان میں ہیں "او مرد" سورۂ انبیاء میں ہے انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم۔ اس میں لفظ "حصب" کے متعلق عکرمہ کی روایت

ہے کہ حبشی زبان میں لکڑی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح سورۂ ص میں لفظ "جبت" استعمال ہوا ہے یہ بھی حبشی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی شیطان ہیں۔ سورہ نور میں "مشکوٰۃ" استعمال ہوا ہے حبشی زبان میں چراغ کو کہتے ہیں۔ سورۂ طور میں لفظ "طور" ہے مجاہد کے قول کی بنا پر سریانی میں پہاڑ کو کہتے ہیں[1]۔

اس کے علاوہ قرآن مجید میں سنسکرت کا لفظ بھی پایا جاتا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی فرماتے ہیں

قال السیوطی فی قولہ تعالیٰ طوبیٰ لھم وحسن مآب اخرج ابن جریر وابو الشیخ عن سعید بن مسجوح۔ قال طوبیٰ اسم الجنۃ بالھندیۃ وفی القاموس الطوبیٰ الجنۃ بالھندیۃ ونقل السیوطی فی قولہ تعالیٰ سندس خضر عن شیذلۃ ان السندس رقیق الدیباج بالھندیۃ..... قال السیوطی اخرج ابو الشیخ عن جعفر بن محمد عن ابیہ رضی اللہ عنھما فی قولہ تعالیٰ یا ارض ابلعی ماءک اشربی بلغۃ الھندیۃ

سیوطی نے کلام الٰہی "طوبیٰ لھم وحسن مآب" کے متعلق کہا کہ ابن جریر اور ابو الشیخ نے سعید بن مسجوح سے حدیث نکالی اور روایت کی "طوبیٰ" ہندی میں جنت کو کہتے ہیں، اور قاموس میں ہے کہ طوبیٰ کے معنی ہندی میں "جنت" ہیں اور سیوطی نے اللہ تعالیٰ کے کلام "سندس خضر" کے متعلق شیذلہ سے یہ روایت نقل کی کہ "سندس" ہندی میں باریک ریشم کو کہتے ہیں۔ سیوطی کی روایت ہے کہ ابو الشیخ نے جعفر بن محمد سے اُنھوں نے اپنے والد سے یہ روایت اللہ تعالیٰ کے کلام یا ارض ابلعی ماءک کے متعلق بیان کی کہ "ابلعی" ہندی زبان میں "شربی" کے معنی میں استعمال ہوا ہے[2]۔

الغرض روایات بالا سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ عربی زبان پر نزولِ قرآن سے قبل عجمی زبانوں کا اثر

[1] ملاحظہ ہو بخاری کتاب التفسیر [2] سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص ۲۰۔

پڑھ چکا تھا۔ اور دنیا کی کوئی زبان ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس پر اجنبی اثر نہ پڑا ہو۔ قرآن میں وہی زبان استعمال ہوئی ہے، جو عرب کے فصحا کے درمیان مستعمل تھی، اور اہل عرب سمجھ سکتے تھے۔ ہر زبان کا یہ اصول ہے کہ تمدن کی ترقی اور مجاورۃ و اختلاط، سیاسی وسعت، مذہبی تبلیغ و رشاد کے ساتھ زبان میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں چنانچہ عربی زبان میں بھی عجمی آثار جذب ہوئے اور جب زبان نے انہیں قبول کر لیا تو گویا وہ غیر عربی نہ رہے، اس لیے ڈاکٹر ٹسڈل کا اعتراض لسانیات کے مبادی و اصول سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح وہ محققینِ اسلام کے معتقدات سے بھی نابلد ہیں۔ عکرمہ، مجاہد، ابن عباس تمام حضرات نے قرآن کے حبشی، عبرانی، سریانی، فارسی تمام کلمات کی توضیحات کی ہیں۔ جن کو بخاری نے کتاب التفسیر میں جمع کر دیا ہے۔

با ایں ہمہ قرآن مجید کا اسلوب اور طرز بالکل تخلیقی (Productive) ہے اور یہیں سے "اعجازِ قرآن" کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے۔ جس پر ٹسڈل نے ایراد کیا ہے۔ علامہ ابن حزم اور قاضی عیاض کی بحثیں آگے آتی ہیں۔ ٹسڈل کی نظر سے غالباً حدیبیہ کا مشہور تاریخی صلح نامہ نہیں گذرا۔

سنہ ۶ھ کا زمانہ ہے، ذیقعدہ کا مہینہ ہے، آں حضرتؐ بیت اللہ کی طرف حج کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ چودہ سو انصار و مہاجرین جلو میں ہیں حدیبیہ کے پاس ثنیۃ المرار میں پہنچے تو آپ نے صحابہ کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا، کفار قریش داخلۂ مکہ سے مانع ہوئے، صلح کی بات ہوئی اور قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو آیا اور نبیؐ سے گفتگو کرنے لگا، بات طے پا چکی۔ تحریر و کتابت کے لیے آپ نے حضرت علیؓ کو بلایا۔

فقال اکتب بسم اللہ الرحمن الرحیم	(آنحضرت نے) فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم
فقال سُہیل لا اعرف ھذا لکن	سہیل نے کہا کہ میں یہ چیز نہیں پہچانتا بلکہ
اکتب باسمك اللھمؐ	یوں لکھیے "باسمک اللھم"

ؔ تاریخ ابوالفدا، ج ۱ ص ۱۴۶۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن نے انشا میں ایک تخلیقی طرز و اسلوب کی بنیاد ڈالی، اور دینی ضروریات کے لحاظ سے بہت سے اصطلاحات وضع کیے۔

کانت العرب فی جاھلیتھا علی	عرب قوم جاہلیت کے زمانہ میں نسلاً بعد
ارث من ارث ابائھم فی لغاتھم	نسل اپنی زبان اپنے ادب، اپنی عبادات
واداہھم ونسا یکھم وقرابینھم	اپنی قربانیوں میں آبائی طریقہ پر قائم تھے جب
فلما جاء الاسلام حالت احوال	اسلام آیا تو حالات بدلے، مذاہب فنا ہونے
ونسخت دیانات وابطلت امور	لگے، رسم و رواج مٹنے لگے، اور زبان سے
ونقلت عن اللغۃ الفاظ عن مواضع	الفاظ ایک محل سے دوسرے محل پر استعمال
الی مواضع اخر بزیادات زیدت	ہونے لگے، اور قانونی و اصطلاحی معانی کا
وشرائع شرعت وشرائط شرطت	اضافہ ہونے لگا، پس جدید نے قدیم کو مٹا دیا
فعفی الاخر الاول [1]	

اور اس لیے قرآن بہ ذاتِ خود عربی زبان کا ایک عجیب و غریب شاہکار ہے۔ اب آئیے اس کے لسانیاتی خصائص پر ذرا تفصیل سے بحث کریں۔

ڈاکٹر اسرائیل ولفنسون

ڈاکٹر ابو ذؤیب اسرائیل ولفنسون کا بیان ہے کہ وہ قصائد اور اسلوب شعری جو عرب کے جاہلی شعراء کی طرف منسوب ہیں۔ پہلی صدی ہجری کے اخیر میں مدون اور مرتب ہو کر زیبِ قرطاس ہوئے۔ درانحالیکہ قرآن کریم کی ترتیب اس سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اس لیے عربی زبان کی تاریخ ولسانی خصائص سے بحث کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ بحث و نظر میں پہلے قرآن مجید ہی کو پیشِ نظر رکھے۔

[1] البلغۃ الی اصول اللغۃ ص ۳۹۔

جب ہم کو یہ معلوم ہے کہ قرآن کی زبان مکہ، مدینہ، طائف اور حجاز کی تمام متمدن آبادی میں سمجھی جاتی تھی تو لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عربی زبان کی سب سے قدیم چیز جو ہم تک پہنچی اور جو عموماً شمالی جزیرہ اور خصوصاً حجاز کے علمی طبقوں میں متداول تھی وہ یہی قرآن ہے۔ یہ زبان قرآن کی آیات سے واضح ہے۔ حجاز کے دور دراز مقامات سے عرب قوم کی جماعتیں آتی تھیں، اور وہ قرآن سُنتی، سمجھتی اور متاثر ہوتی تھیں۔ باوجودیکہ قرآن کی زبان اس عام زبان سے جو مکہ میں مروج تھی ممتاز ہے۔ قرآن ہی وہ سب سے بہترین آلہ ہے جس کے ذریعہ ظہور اسلام کے زمانہ کی زبان سے بحث کی جاسکتی ہے۔ گو یہ عربی زبان کے تمام الفاظ و کلمات پر مشتمل ہیں، کیونکہ اُس نے اپنی طبعی ضرورت کے لحاظ سے ان کلمات کو لے لیا جو مناسب تھے اور نامناسب الفاظ کو ترک کر دیا۔

اور یہ جو روایت کی جاتی ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا۔ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش کے محاورہ میں گفتگو فرماتے تھے۔ یہی تمام اہل مکہ کی زبان تھی، تو یہ صحیح ہے لیکن اگر اس سے مُراد یہ لیا جاتا ہے کہ قریش کی کوئی خاص علمی زبان تھی جس میں تقریر کہانت اور شعر پایا جاتا ہے، اور جس کی نظیر دوسرے قبائل کے یہاں نہیں ملتی تو یہ صحیح نہیں چونکہ اس سے دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس سے اس زبان کے سمجھنے والے عربوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے، حالانکہ واقعات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

مشہور جرمن مستشرق نولدکہ (Noeldke) کا بیان ہے کہ یہ تخیل بنی اُمیہ کے زمانہ میں پیدا ہوا تاکہ نبی صلعم سے وابستہ ہونے کے باعث تمام عربی قبائل پر قریش کا تفوق ثابت ہو، اس خیال سے یہ بھی مقصود ہو سکتا ہے کہ نبی صلعم قرآن مجید اس محاورہ میں پڑھا کرتے تھے جو مکہ میں مروج تھا اسلامی کتابوں میں مختلف روایتیں پائی جاتی ہیں جو حدیث نبوی پر مبنی ہیں۔ ان کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن مجید سات مختلف محاوروں میں تلاوت کیا جاسکتا ہے، یہ محاورے ان عربی قبائل کی زبان سے

متعلق ہیں جو مختلف زبانیں بولا کرتی تھیں، دوسری حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا اور قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی تھی پس ان میں باہم اس کی تفسیر کے باب میں نہیں بلکہ اس کی قرأت کے متعلق اختلاف ہوا۔ ان میں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کی قرأت کا انکار کرتے تھے، حالانکہ ان میں ہر قاری کا یہ دعویٰ تھا کہ قرآن کی وہی قرأۃ ہے[1]۔

اسی طرح علمائے اسلام کے ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ قرآن دس محاوروں میں نازل ہوا اور کسی قراۃ کو کسی پر ترجیح نہیں کیونکہ حدیث میں مروی ہے "بایہا قرأت اصبت" جس محاورہ میں پڑھا جائے درست ہے۔

قرآن مجید کے مختلف محاوروں اور اس باب میں نبی صلعم سے تواتر روایات کے متعلق استاذ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی رائے قابل ذکر ہے آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کی سات قرائتیں کم یا بیش وحی کے ذریعہ نہیں ہیں اور نہ ان کا منکر کافر ہے، بلکہ یہ قرائتیں لوگوں کے مختلف محاوروں کی اصل یا ماخذ ہیں[2]۔

ابن جریر طبری، علامہ الجزری، شاطبی، اور دانی نے اس موضوع پر بڑی بحثیں کی ہیں لیکن ان کا تعلق لسانیات سے نہیں بلکہ مذہبی بحث و تمحیص کی دنیا سے ہے۔

لیکن عربی زبان کی ترقی کے سلسلہ میں جس چیز سے ہمیں بحث کرنا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قرائتیں جزیرۂ عرب کے عربی محاوروں کے مطابق ہیں یا نہیں۔ یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ ان قراءتوں میں سے بعض تمام و کمال ان محاوروں کے مطابق ہیں جو پہلی صدی ہجری میں عربوں کے درمیان بولے جاتے تھے، یہ قرائتیں عربی زبان کے وہ صیغے ہیں جن سے عرب عجمی اثر و نفوذ کے قبل مانوس تھے، اور اس عربی زبان پر جو ظہور اسلام کے زمانہ میں بلاد عرب میں پھیلی ہوئی تھی تغیر پیدا نہ ہوا تھا۔

---

[1] تفسیر الطبری ج ۱ ص ۱۸۔ (بخاری میں یہ واقعہ فضائل القرآن میں مروی ہے حضرت عمرؓ نے حکیم ابن ہشام کو ایسی قرأت میں تلاوت کرتے پایا جو آنحضرتؐ نے آپ کو نہیں سکھائی تھی، آخر میں آنحضرتؐ نے دونوں کی قرائتیں سنیں اور دونوں کو صحیح کہا۔) [2] کتاب فی الادب الجاہلی ص ۹۸- ۱۰۷-

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ قرآن کی مختلف قراءتوں کے بعض صیغے عبرانی اور سریانی صیغوں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔

قرآن مجید کے یہ مختلف محاورے لسانیات کے نقطہ نظر سے بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ چونکہ ان کے ذریعہ قدیم صحیح عربی زبان کے محاوروں کے لیے کافی مواد مل جاتا ہے اور باوجود اس اہمیت کے علمائے مستشرقین نے آج تک عربی زبان کی نشو و ترقی کے موضوع بحث میں اس طرف توجہ نہ کی۔

قرآن کی مختلف قراءتوں کی تقسیم حسب ذیل ہے :-

(۱) قراءۃ نافع بن ابی نعیم = اور یہ اہلِ مدینہ کی قراۃ ہے۔

(۲) قرأۃ عبداللہ بن کثیر = اور یہ اہل مکہ کی قرأت ہے۔

(۳) قرأۃ ابی عمرو بن علا = اور یہ اہل بصرہ کی قرأت ہے۔

(۴) قرأۃ عبداللہ ابن عامر = اور یہ اہل شام کی قرأت ہے۔

(۵) قرأۃ قاسم بن ابی النجود = یہ اہل کوفہ کی قرأت ہے۔

(۶) قرأۃ حمزہ بن حبیب الزیات = یہ بھی اہل کوفہ کی قرأت ہے۔

(۷) قرأۃ علی الکسائی امامِ فن نحو = اہل کوفہ کی قرأت ہے۔

(۸) قرأۃ یزید بن القعقاع = یہ مدنی قاریوں کے شیخ اور نافع کے استاذ ہیں۔

(۹) قرأۃ خلف = یہ حمزہ کے شاگردوں میں ہیں۔

(۱۰) قرأۃ یعقوب۔

اب ان قرأتوں کے بعض اختلافات کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

قرأۃ نافع | لفظ "نبی" میں ہمزہ کا استعمال خواہ نبی مفرد یا مثنی یا جمع مستعمل ہو جیسے یاایھا النبیء۔ اور

والنبیٔون یہ عبرانی زبان کے لفظ بنی کے مانند ہے۔

لفظ اُذُنُ کی ذال ساکن جیسے اُذْنُ (مثلاً سورۂ توبہ کی آیت میں قُلْ اُذُنُ خیرٌ لکم یومن باللہ میں "اُذُنُ" کی جگہ "اُذْنُ"

فعل حزن رباعی جیسے انی لیحزننی لیکن سورۂ انبیاء کی آیت لا یحزنهم الفزع الاکبر اس سے مستثنیٰ ہے۔

کسی لفظ کے شروع میں دو الف آئیں تو ان میں پہلے الف کو مد دیتے ہیں اور دوسرے کو "ہ" سے بدل دیتے ہیں جیسے سورہ بقرہ کی اس آیت ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون میں ءانذرتهم کے بدلے اھنذرتهم قرأت کرتے ہیں۔

میم جمع کو واو سے وصل کرتے ہیں جیسے علیھم کو علیھمو پڑھتے ہیں۔ یائے مقصورہ کو نصف امالہ جیسے فتی، ھدی، مصطفی۔

قراۃ ابن کثیر ابن کثیر کلمہ ضیاء کو ضئاء پڑھتے ہیں جیسے سورۂ یونس کی آیت ھو الذی جعل الشمس ضیاء میں ضیاء کے بدلے ضئاء قراءۃ کرتے ہیں۔ ابن کثیر صاد، ضاد، طاء، ظاء کے بعد لام کو تفخیم نہیں دیتے۔ جیسا کہ "ورش" قراۃ نافع میں تفخیم دیتے ہیں۔

قرأۃ ابی عمرو یہ قرأۃ ایک ہی لفظ یا اس کے قریب قریب لفظ کے ادغام پر مبنی ہے۔ مثلاً: سلککم کو سلکّم اور مناسککم کو مناسکّم پڑھتے ہیں۔ اتخذتم کو اتخدتم (ذال کے بدلے دال) پڑھا جاتا ہے۔ حیث شئتما کو حیث شّئتما اور العرش سبیل کو العرش سبّیل پڑھا جاتا ہے۔ کسرہ کے بعد میم جمع مکسورہ جیسے علیھمِ

قرأۃ ابن عامر لفظ ابراہیم کو بعض مقامات میں عبرانی قرأۃ کے مطابق ابراھام پڑھتے ہیں۔

قرأۃ عاصم باستثنائے بعض کلمات اس میں تسہیل، ادغام اور امالہ نہیں ہے۔ مصر میں اس قرأۃ کے متعلق

حفص کی روایت بہت مشہور ہے۔

قراۃ حمزہ ہر مقصورہ کو پوری طرح کھینچ کر پڑھتے ہیں جیسے ھدی دفتی وشاء وماء وخاب وطاب وضاق۔ یوءمنون کو یومنون پڑھتے ہیں۔ لفظ صراط کو زراط۔ اصدق کو ازدق پڑھا جاتا ہے۔

کسائی کی قراۃ حمزہ کی قرات سے قریب قریب ہے۔ اور یہی حال قراۃ خلف کا ہے اور ابی جعفر کی قراۃ اس کے استاد نافع کی قراۃ سے قریب ہے اور یعقوب کی قراۃ بعض اگلی قراتوں کے موافق ہے۔

ان مختلف قراتوں میں وقف، ابتدا، اور حروف کی صفات اور مخارج مثلاً آہستہ اور زور سے ادا کرنا غنہ، اور کھینچ کر پڑھنے کے متعلق بہت سے احکام ہیں جن کی بحث یہاں ضروری نہیں، چونکہ ان کا تعلق علم تجوید سے ہے[1]۔

علامہ شبلی مرحوم نے قرآن کی تاریخ ترتیب بیان کرتے ہوئے بعض اختلافات قراۃ کا تذکرہ کیا ہے لیکن فرماتے ہیں کہ یہ اختلافات معمولی ہیں اور ان سے مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اختلافات قرات کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ ان اختلافات کے متعلق ہمارے علماء کوئی شافی جواب نہیں دیتے تھے، یہاں تک کہ ادب الجاہلی کے بدنام مصنف اور مصری ادیب طہٰ حسین نے اس کی لسانیاتی توجیہہ کی جس سے اسرائیل ولفنسون نے استفادہ کیا اور اب دنیا پر یہ واضح ہو گیا کہ یہ اختلافات قراۃ عربی زبان کے مختلف محاوروں کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ خاص لسانیاتی اہمیت رکھتے ہیں۔

---

[1] تاریخ اللغات السامیہ مطبوعہ مصر ص ۲۱۰۔